پنجابی ادب میں تاریخی شعور

ڈاکٹر تراب الحسن سرگانہ*

Abstract:

Literature and particularly the folk literature, narrates the political, religious, economic and social traditions of a society without any bias and prejudice. Folklore is an essential element of oral history to construct an alternative history. Folk literature reflects religious and socio-cultural traditions, concepts, festivals, customs, attitudes and habits, mode of life and behaviors of the people. Like literature of other languages, Punjabi literature is replete of historical events. This article is an attempt to trace out historical references from the Punjabi Sufi poetry and Punjabi folklore and it discusses relationship of folklore with the contemporary history.

ادب کسی بھی زبان میں ہو وہ اپنے معاشرے کا حقیقی ترجمان ہوتا ہے اور اگر کسی قوم کے مزاج کو حقیقی طور پر سمجھنا ہو تو اس میں ادب سب سے بہترین معاون ہوتا ہے۔ ادب اور پھر خصوصی طور پر لوک ادب قوم کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشی روایات کو بغیر کسی تعصب کے بیان کرتا ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح پنجابی ادب اہلِ پنجاب کا حقیقی ترجمان اور پنجابی معاشرہ کا عکاس اور آئینہ ہے جس میں پنجابیوں کی حقیقی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ پنجابی زبان اپنے اندر بہت وسعت رکھتی ہے۔ اس کے ادبی ذخیرے میں ہر وہ خوبی موجود ہے جو دنیا کی کسی بھی دوسری بڑی زبان میں پائی جاتی ہے۔ پنجابی ادب میں موجود صوفیانہ کلام اپنے اندر حکمت و دانش اور وسعتِ معانی و مفہوم رکھتا ہے تو پنجاب کا لوک ادب پنجاب اور اہلِ پنجاب کی ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔ پنجابی صوفیانہ کلام اور لوک ادب میں ایک فرد کی پیدائش سے لے کر اس کی زندگی کے تمام اہم مراحل اور امور کے متعلق مواد ملتا ہے۔

* شعبہ تاریخ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

پنجاب پانچ دریاؤں کی سرزمین ہے اوران پانچ دریاؤں نے اس خطے کی زرخیزی اورخوشحالی میں اہم کردارادا کیا ہے مگر پنجاب کی یہی زرخیزی اس کی دشمن ثابت ہوئی ہے۔ پنجاب کی معاشی خوشحالی بیرونی حملہ آوروں کے لیے سب سے بڑی کشش بنی اور یوں پنجاب حملہ آوروں کی آماجگاہ بن گیا۔ ہندوستان میں جتنے بھی حملہ آور خشکی کے راستے سے داخل ہوئے ہیں ان کا پہلا مقابلہ پنجابیوں سے ہوا۔ اگر اہلِ پنجاب کو فتح ہوجاتی تو حملہ آور یہیں سے مارکھا کر واپس چلے جاتے اور اگر حملہ آور جیت جاتے تو پھر دہلی کا تخت ان کا مقدر ٹھہرتا۔ پنجاب پر حملوں کی داستان ایک دو حملہ آوروں تک محدود نہیں بلکہ یہ آریہ سے لے کر انگریزوں تک ایک طویل فہرست ہے۔ اسی بات کا اظہار پنجاب کو مخاطب کرتے ہوئے شورکمار بٹالوی اس طرح کرتے ہیں۔ **(۱)**

لہواں دے سنگ لکھی گئی ہے
اَنکھ تیری دی لمی کاتھا
ہل دی گھاٹی تیری، تیرے سومناتھ دے مندر
تیرے دکھ دی بات سناندے راجپوتانی کھنڈر
ستلج دے کنڈھے توں مڑیا
کھا کے مار سکندر **(۲)**

چونکہ ایک طویل عرصہ تک پنجاب بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ اور راہگزر بنا رہا ہے اس لیے پنجابی صوفی شاعری میں جابجا مزاحمتی اشارے اور علامات پائے جاتے ہیں۔ صوفی شعراء مثلاً شاہ حسین (وفات ۲۵۹۳ء)، بلھے شاہ (۱۷۵۸ء)، علی حیدر ملتانی (۱۷۸۵ء)، وارث شاہ (۱۷۹۸ء) اور خواجہ غلام فرید (۱۹۰۱ء) نے ان بہادروں کی تحسین کی ہے جنہوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کیا اور بزدلوں اور غداروں کی سخت الفاظ میں مذّمت کی ہے۔ صوفی شعراء نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو ظلم و جبر اور غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

مستک جہناں دے پئی فقیری، بھاگ تنہاں دے چنگے
سرت دی سوئی پریم دے دھاگے پیوند لگے ست رنگے
کہے حسین فقیر سائیں دا، تخت نہ ملدے منگے **(۳)**

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ حکومت صرف دہلی تک محدود ہوکر رہ گئی۔ دہلی دربار محلاّتی سازشوں کا مرکز بن گیا اور حصولِ تخت کے لیے بھائی بھائی کا اور بیٹا باپ کا دشمن بن گیا۔ سارا ملک خانہ جنگی اور افراتفری کا شکار ہوکر رہ گیا۔ ایک طرف مرکز میں اقتدار کی جنگ جاری تھی تو دوسری طرف سکھ مسلیں آپس میں صف آراء تھیں۔ مشہور صوفی شاعر بلھے شاہ نے اپنی آنکھوں سے مغلیہ سلطنت کو زوال آتے دیکھا اور اس بدامنی

اور افراتفری کا سب سے زیادہ شکار پنجاب تھا۔ مرہٹوں، سکھوں اور بیرونی حملہ آوروں نے پنجاب کو آگ اور خون میں دھکیل دیا۔ بلھے شاہ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

درکھلا حشر عذاب دا　　برا حال ہویا پنجاب دا
ڈر ہاویئے دوزخ ماریا　　سانوں آمل یار پیاریا (۴)

چونکہ بلھے شاہ نے اٹھارویں صدی میں پنجاب کی صورت حال اور مغلیہ زوال کا مشاہدہ کیا تھا۔ جب مغل شہنشاہ برائے نام حکمران تھا اور اصل حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی تو اس کا اظہار بلھے شاہ کے ہاں کچھ اس طرح سے ملتا ہے۔

مغلاں زہر پیالے پیتے
بھوریاں والے راجے کیتے
سبھا اشراف پھرن چپ کیتے (۵)

مشہور صوفی شاعر علی حیدر ملتانی نے ننانوے سال کی زندگی پائی اور اس دوران اورنگ زیب کا عہد، اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلوں کا زوال اور اٹھارویں صدی میں پہلے نادر شاہ اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے پنجاب اور ہندوستان پر متواتر حملے دیکھے تھے۔ یہ بیرونی حملہ آور آتے اور پنجاب کو لُوٹ کر واپس چلے جاتے۔ ہندوستان اور پنجاب کے حکمران حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے بجائے ان کو خزانے اور علاقے پیش کرتے اور وہ تھوڑے عرصے کے لیے واپس چلے جاتے اور چند ماہ کے بعد پھر لُوٹنے آ جاتے۔ علی حیدر نے اس صورت حال پر مقامی حکمرانوں کی سخت مذمت کی ہے۔

ب　بھی زہر جو کھامرن کجھ شرم نہ ہندوستانیاں نوں
کیا حیا ایہناں راجیاں نوں، کجھ لج نہیں تورانیاں نوں
بھیڑے بھر بھر دیون خزانے فارسیاں نوں، خراسانیاں نوں
کہے تاں کھا کٹاری مروجے سکونہ مارا ایرانیاں نوں
حیدر آکھ ایہناں ہیجڑیاں نوں، ایہناں ہیزاں نامردانیاں نوں (۶)

اپنے معاصرین بلھے شاہ اور علی حیدر کی طرح وارث شاہ بھی اپنے گردوپیش میں رونما ہونے والے واقعات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے جس کا اظہار ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔ قصور میں ہونے والی مسلمانوں اور سکھوں کی لڑائی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

جیویں ساڑ قصور تے کھڈیاں نوں　　اگاں خالصے پھوک وکھائیاں نیں
فوجاں شاہ دیاں وار ثامار متھرا　　مُڑ پھیر لا ہورنوں آئیاں نیں (۷)

اسی طرح انیسویں صدی کے عظیم صوفی شاعر خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن بھی اپنی کافی میں نواب آف

بہاولپور صبح صادق خان کو انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی یوں ترغیب دیتے ہیں۔

سبھوں پھلوں، سیج سہاتوں — پھولوں سے سجی سیج کو سرفراز کر
بخت تے تخت کوں جوڑ چھکاتوں — تختِ شاہی پر بصد شان جلوہ افروز ہو
اپنے ملک کوں آپ وساتوں — اپنی ریاست پر اپنا حکم خود چلا
پَٹ انگریزی تھانے (۸) — انگریزوں کی عملداری ختم کر

نادر شاہ افشار ۱۷۳۸ء میں پنجاب میں ظلم کا طوفان بن کر داخل ہوا۔ اس کے راستے میں جتنے گاؤں، قصبے اور شہر آئے اس نے جلا دیئے۔ پنجاب میں اس کا پہلا مقابلہ گوجرانوالہ کے قریب ایمن آباد کے مقام پر قلندر خان کے ساتھ ہوا جس میں قلندر خان کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد پنجاب کے بہادر گورنر نواب ذکریا خان نے تین دن تک نادر شاہ کا مقابلہ کیا مگر اسے دہلی حکومت سے کوئی مدد نہ ملی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور نادر شاہ سے صلح کر لی اور اسے لاکھوں روپے اور نذرانے دے کر باقی پنجاب کو تباہی سے بچا لیا۔ پنجاب لوٹنے کے بعد نادر شاہ دہلی کی طرف بڑھا۔ بیاس کے کنارے اس نے پنجاب سے بنائے گئے ہزاروں قیدیوں کو قتل کر کے بربریت کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ کرنال میں مغل کمانڈر خانِ دوراں نے خوب مقابلہ کیا تاہم درباری سازشوں کے باعث ہار گیا۔ نادر شاہ اپنے وطن واپس جاتے ہوئے ہندوستان سے بے شمار دولت، کوہ نور ہیرا اور شاہجہان کا تخت طاؤس ساتھ لے گیا۔ اس وقت دہلی سے ہزاروں میل دور پنجاب کے ایک گاؤں میں بیٹھے صوفی شاعر علی حیدر نے اس لوٹ مار پر یوں احتجاج کیا۔

ایہہ ایرانی نادر ظالم کوہنوں مول نہ سنگدے نی
دل دی دِلّی لٹ لیونیں حیدر ہور کیہہ ساتھوں منگدے نی (۹)

اسی طرح نادر شاہ کے مظالم کے حوالے سے لوک گیت مشہور ہوئے۔ جیسا کہ اس لوک گیت میں کہا گیا ہے۔

آیا نادر
ڈھے پئی چادر
بابل نیویں دھون کڑے
گلیاں دے ککھ رون کڑے
آیا نادر
پھٹی چادر
بانہوں چوڑا لہیا کڑے
کیہہ اساڈا رہیا کڑے (۱۰)

نادر شاہ کے مرنے کے بعد انیس برس میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر آٹھ مرتبہ حملے کئے۔ جب بھی پنجاب میں فصل تیار ہو جاتی تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے پنجاب پر حملہ کر دیتا اور یہاں سے مال مویشی اور فصلیں لوٹ کر لے جاتا۔ لوگوں میں ابدالی کے مظالم کے متعلق مشہور تھا۔

کھادا پیتا لاہے دا　　باقی احمد شاہے دا

''وار'' جس کی جمع ''واراں'' ہے۔ پنجابی ادب کی ایک قدیم اور مقبول عام صنف ہے جو کہ رزمیہ شاعری پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں تاریخ، اسلاف کے کارنامے اور بہادروں کی بہادری کا بیباکانہ اظہار ملتا ہے جس سے قوموں کی تاریخ نویسی اور نئی نسل کے کردار کی تعمیر میں مدد ملتی ہے۔ اگرچہ بے شمار ''واریں'' لکھی گئی ہیں مگر کچھ تو ملتی نہیں ہیں اور کچھ ادھوری ملتی ہیں۔ چند مشہور ''واریں'' یہ ہیں۔ ''نادر شاہ دی وار''، جو کہ ایک پنجابی شاعر نجابت (۱۱) نے لکھی ہے، میں شاعر دہلی شہر کی تاریخ سے لے کر تیمور کے حملے، بادشاہ گر سید برادران کے واقعات، خانِ دوراں اور نظام الملک کے حسد اور درانی سرداروں کی بے وفائی وغیرہ یہ سارے واقعات تاریخی پس منظر اور تمہید کے طور پر بیان کرتا ہے اور نجابت نے ایک غیر جانبدار اور جرأتمند مؤرخ کی طرح واقعات کو بیان کیا ہے۔ اس وار میں متحدہ ہندوستان کے سیاسی بحران کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس میں نادر شاہ کے پنجاب، کرنال اور دہلی پر حملے کی دردناک داستان بیان کی گئی ہے۔ نجابت نے جہاں مغل دربار کے غدار درباریوں کے چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ وہیں اس نے جنگ میں جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرنے والے مرزا قلندر بیگ اور خانِ دوران کی حب الوطنی کو سراہا ہے۔ نجابت کو اٹھارویں صدی کا جرأتمند اور غیر جانبدار مؤرخ کہا جا سکتا ہے۔ ''چٹھیاں دی وار'' پیر محمد (۱۲) کی تخلیق ہے اور اس میں مسلمان چٹھہ سرداروں اور سکھوں کی لڑائی بیان کی گئی ہے۔ اور ''سکھاں دی وار'' جسے ''جنگ ہند پنجاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ شاہ محمد (۱۳) کی تخلیق ہے۔ چٹھیاں دی وار، رنجیت سنگھ کے اقتدار میں آنے سے پہلے کے عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ جبکہ ''سکھاں دی وار'' رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہے۔ (۱۴) اس طرح یہ دونوں واریں لگ بھگ پنجاب کی سو سال کی سیاسی و سماجی تاریخ کو بیان کرتی ہیں۔ ''چٹھیاں دی وار'' میں پیر محمد نے احمد شاہ ابدالی کے ۱۷۶۴ء کے پنجاب پر حملے کا ذکر کیا ہے جبکہ شاہ محمد نے ''سکھاں دی وار'' میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ۱۸۴۶ء سے لے کر ۱۸۴۹ء تک کی لڑائیوں اور پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ وار بیت کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔

جنگ ہند پنجاب دا ہون لگا، دوویں پادشاہی فوجاں بھاریاں نی
اَج ہووے سرکار تاں مُل پاوے، جیہڑ یاں خالصے نے تیغاں ماریاں نی
سنے آدمی گولیاں نال اُڈن، ہاتھی ڈگدے سنے انباریاں نی
شاہ محمد اِک سرکار باجھوں، فوجاں جِت کے انت نوں ہاریاں نی۔ (۱۵)

شاہ عظیم پنجابی میں وار کے نامور تخلیق کار ہیں جن کی تصنیف کردہ تین واریں مسلمانوں اور سکھوں کی لڑائیوں کا معتبر تاریخی ریکارڈ ہیں۔ انہوں نے ''مظفر خان دی وار'' میں ملتان پر سکھوں کے حملے اور مظفر خان کی طرف سے جرأتمندانہ مزاحمت کو بیان کیا ہے۔ نواب مظفر خان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا تاہم ۲؍جون ۱۸۱۸ء کو سکھ قلعہ ملتان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس وار میں نواب مظفر خان شہید اور قطب الدین پٹھان کے درمیان مکالمہ سے سکھوں کی جنگی صلاحیتوں اور مظفر خان کا اعتماد واضح نظر آتا ہے۔ (۱۶)

پنجاب کے ضلع اٹک کے ایک گمنام عوامی شاعر نے کالے خان کی وار لکھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۴؍ستمبر ۱۸۵۷ء کو کالے خان نے دہلی میں نکلسن کی فوج پر شدید گولہ باری کی اور اس کو بہت نقصان پہنچایا۔ خود نکلسن اسی گولہ باری میں زخمی ہوا اور بعد میں مر گیا۔

کالے خاناں اوئے
توُں اس دا سردار
خان گوریاں نوں سیس نواون
ایہہ اوہناں دیاں جُتیاں چاون
توُں کمیاں دا پُتر ہو کے
دِتا نکلسن مار
کالے خاناں اوئے
توُں اس دا سردار (۱۷)

دنیا کی وہ زبان اتنی زیادہ rich ہوگی جتنا اس میں لوک ادب زیادہ ہوگا۔ کسی بھی علاقے، قوم، زبان اور اس علاقے کے لوگوں کا اصل ورثہ اور سرمایہ ان کا لوک ادب ہوتا ہے۔ جتنا یہ لوک ادب زیادہ وسیع اور جاندار ہوگا اتنی ہی وہ زبان لسانی، علمی، ثقافتی اور تہذیبی حوالے سے جاندار ہوگی۔ لوک گیت کسی بھی زبان کے لوک ادب کا سب سے اہم جزو ہیں۔ لوک گیت سے مراد ہے لوگوں کے گیت۔ ان گیتوں میں عام لوگوں کے رہن سہن، ان کے رسم ورواج اور غم اور خوشی کے اظہار کے طریقوں کے ساتھ ساتھ اس علاقے اور علاقے کے لوگوں کی تاریخ وثقافت کا بیان بھی ہوتا ہے۔ لوک گیت شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جو دنیا کے ہر کونے میں پائی جاتی ہے اور اس کی ترویج و ترقی میں کسی ایک شاعر یا کچھ شاعروں کا کردار نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگوں کے دلوں سے ان کے ماحول کے مطابق پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کی زبان سے جاری ہو کر قبولِ عام حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لیے جس طرح ان گیتوں کے ذریعے کسی علاقے کے تہذیب وتمدن، رسوم ورواج اور طریقہ ہائے زندگی کا علم حاصل ہوتا ہے، کسی بڑی سے بڑی تاریخی کتاب سے بھی اس قدر نہیں ہوسکتا۔ لوک گیتوں کے ذریعے ہمارے سامنے ماضی کی ایسی تصویر آتی ہے جو

تعصب اور ضد سے پاک ہوتی ہے۔ لوک گیت ہمارے رہن سہن کے امین اور ہمارے قدیم سماجی ڈھانچے کے عکاس ہیں۔ یہ ہماری سماجی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی اقدار کے ترجمان ہیں۔ ہم ان کے ذریعے اپنی تاریخ کو پوری سچائی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارے لوک گیت ہماری تہذیب، ہمارے وسیب اور طریقۂ زندگی کی زندہ جاوید کہانیاں اور تصویریں ہیں۔ یہ انسان کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک تمام لمحوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جب ہم لوک گیتوں کا علمی اور تنقیدی سطح پر تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے بے شمار صدیوں کی تاریخ کے بولتے اور گونگے یا خاموش اوراق بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ لوک گیت جنگلی گلاب کے پھولوں کی طرح خود رو اگ کر ہر طرف اپنی خوشبو بکھیرتے ہیں اور تاریخ کے جبر، عہد کے کرب اور زمانے کے آشوب سے بچ بچا کر ہم تک پہنچتے ہیں۔ اس لیے ان آئینوں کے ذریعے ہم پوری کائنات اور پوری انسانی زندگی، دنیا اور اس کے اندر رونما ہونے والی فطری اور غیر فطری تبدیلیوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور ان کے ذریعے ایک ایسی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں جو دراصل کرّۂ ارض کی حقیقی تاریخ ہوگی۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے جارج لارنس گوم (George Lawrence Gomme 1853-1916) (۱۸) نے لوک ادب کو تاریخی سائنس قرار دیا ہے۔ (۱۹) اور فلپ ڈی جارڈن (Phillip D. Jordon 1903-1980) (۲۰)، وائی۔ ایم سوکولوف (۲۱) اور بہت سارے دیگر مؤرخین کی رائے میں لوک ادب کے بغیر سچی اور صحیح سماجی و ثقافتی تاریخ لکھی ہی نہیں جا سکتی۔

پنجابی لوک شاعری میں ''ڈھولا'' ایک مقبولِ عام صنف ہے۔ یہ آزاد نظم کی طرز پر لکھا جاتا ہے۔ عموماً اس کے مصنف کا پتہ نہیں ہوتا تاہم اس میں زندگی کے تمام موضوعات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ پنجاب میں اکثر میلوں پر ڈھولے گائے جاتے ہیں جن میں پنجاب کے رومانی قصے اور تاریخی واقعات لوگ گہری دلچسپی سے سنتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں پنجابیوں کی بہادری کے قصے ڈھولے کا اہم موضوع ہے۔ اگر ہم جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے واقعات کے متعلق سرکاری ریکارڈ اور پنجابی لوک ادب میں اس جنگ کے متعلق موجود مواد کا موازنہ کریں تو انگریزی ریکارڈ لوک ادب میں بیان کیے گئے بہت سارے واقعات کی تصدیق کرتا ہے اور لوک ادب انگریزی ریکارڈ میں نظر انداز کئے گئے واقعات اور حقائق کو منظرِ عام پر لاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

گوگیرہ میں جنگِ آزادی ۱۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شروع ہوئی۔ تاہم اس سے پہلے چند اہم واقعات ہوئے۔ جنہوں نے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف اٹھنے پر آمادہ کیا۔ انگریزی ریکارڈ کے مطابق پہلا اہم واقعہ ۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو ہوا جب پاکپتن تحصیل کے ایک گاؤں لکھوکے کے رہائشیوں نے حکومت کو ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریزی حکام نے انہیں جیل میں بند کر دیا۔ (۲۲) احمد خان کھرل نے جیل جا کر ان سے ملاقات کی اور انگریز حکام

سے مل کر کچھ کو رہا کروایا۔ ۲۶/جولائی ۱۸۵۷ء کو قیدیوں نے جیل میں بغاوت کر دی اور بہت سارے قیدی رہا کروالیے۔ اس جھڑپ میں انگریزی ریکارڈ کے مطابق ۱۷ قیدی مارے گئے، ۳۳ زخمی ہوگئے اور ۱۸ بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ (۲۳) جبکہ لوک ادب کے مطابق ۱۴۵ قیدی مارے گئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۰۰ سے زیادہ سرکاری فوجی بھی مارے گئے۔ (۲۴) سرکاری ریکارڈ قیدیوں کے ناموں کے متعلق خاموش ہے جبکہ لوک ادب میں اس بغاوت کے سرکردہ رہنماؤں کے نام ملتے ہیں۔ اس واقعہ کی منصوبہ بندی کرنے والوں میں نتھو پروکہ، ٹھوبہ رجوکہ، سردار بھوجوآنہ اور جاوا وٹو قابل ذکر ہیں۔ ایک ڈھولا کی یہ سطریں ملاحظہ کریں۔

کال بلیندی ناردا ٹھیا کر کے وائی
نتھو پروکے، ٹھوبے رجوکے، سردارے بھوجوآنے تے جاوے وٹو
چوانہہ جیل وڈھن دی جا صلاح پکائی۔ (۲۵)

اسی طرح مئی ۱۸۵۷ء کے آخر میں ہریانہ لائٹ انفنٹری (Haryana Light Infantry) کی بغاوت کی خبر گوگیرہ پہنچی تو یہاں کے انگریز حکام نے یہاں سے گھوڑوں اور آدمیوں پر مشتمل کمک وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لوک ادب کے مطابق گوگیرہ کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مسٹر برکلے نے احمد خان کھرل سے کہا کہ وہ اس سلسلے میں تعاون کرے۔ برکلے اور احمد خان کھرل کا مکالمہ اس ڈھولا میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

انگریز برکلی آہنداا ے، رائے احمد دیویں گھوڑیاں
تیری لندنوں لکھ لیاؤساں نیک نامی
رائے احمد آہنداا ے، رناں، بھوئیں تے گھوڑیاں، ونڈ کسے نہ دتیاں
ہونداں بت دے وچ ساہ سلامی (۲۶)

احمد خان کی طرف سے جواب ملنے پر برکلے نے جھامرہ پر حملہ کیا۔ احمد خان کھرل کو تو گرفتار نہ کر سکا مگر ۲۰ قیدی اور ۷۰۰ مویشی لے آیا۔ (۲۷) ۲۱/ستمبر ۱۸۵۷ کو برکلے نے اپنی فوج کے ہمراہ احمد خان کھرل پر حملہ کیا۔ اس میں احمد خان اور سارنگ دونوں شہید ہوگئے۔ اگرچہ انگریزوں کو بھی بھاری نقصان اٹھانا پڑا تاہم احمد خان کی شہادت مجاہدین کے لیے نا قابل تلافی نقصان تھا۔ (۲۸)

جب احمد خان کی شہادت کی خبر پھیلی تو لوگوں میں انتقام کی آگ بھڑکنے لگی اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک احمد خان کا بدلہ نہیں لے لیں گے۔ بالآخر احمد خان کھرل کے ساتھیوں نے انگریزوں پر حملہ کیا اور برکلے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

اس ڈھولا میں یوں بتایا گیا ہے۔

موئے احمد خان توں پچھے، فتیانہ مراد رہنداا ے نت ارمانی

ہکے ویر لیساں چاچے احمد دا، ہکے آپنا ای چا دیساں سر قربانی
مراد پیا آہندا اے: جتھوں تائیں نہ ٹکرے انگریز برکلّی
حرام کیتی وداہاں کھانا
ہک دیہاڑے ویہاں مک گئیاں، جٹ شیراں وانگ انگرانا
سہلا ماریوس تن برکلّی دے، جوان دھرتی تے جاڈولانا
ڈھاندے برکلّی نوں، چنگیاں ماریاں ہین سوجے بھدرو،
پیو دادے دی ذات نوں گھتیا ہیس گہنا
برکلّی دا گھوڑا ہنکے وچ مدان دے، کنڈوں گیا ہوالانا
میماں اچے وین کر کے روندیاں ہین، مار گھتیو نیں برکلّی نوں،
کوئی سنیندا اے مراد فتیانا۔ (۲۹)

برکلے کے مارے جانے کے بعد انگریزوں نے لاہور، ملتان، جھنگ اور لیہ سے کمک منگوائی اور مجاہدین پر حملہ کیا۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ بھی نہ تھا اور وسائل بھی نہ ہونے کے برابر تھے اس کے باوجود کھرل، قریشی، فتیانہ، بگھیلہ، کاٹھیہ، مردانہ ویہنیوال، ترہانہ، وٹو اور کچھ دیگر قبائل نے قریباً جنوری ۱۸۵۸ء تک تحریک جاری رکھی۔ مگر انگریزوں کے وسائل اور اپنوں کی غداری کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کچھ رہنما گرفتار ہوئے اور ''کالا پانی'' بھیج دیئے گئے۔ (۳۰)

باقی لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ درج ذیل ڈھولا اسی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے۔

کال بلیندی نار دیپا ونگار دا
ایہناں انگریزاں، بلند بیگ دا ترہانہ، فتح پور گوگیریں پھاہے چاڑھیا
جیہڑ الاڑا ہا ساندل بار دا
ایہناں انگریزاں بنھ لیا لال گا جی دا کاٹھیا، مامند جلے دا کاٹھیا،
ولی داد مردانہ تے موکھا پتر کوڑھی ویہنیوال دا
ایہناں انگریزاں بنھ لیے، مراد تے بہاول فتیانے
جیہڑے راوی دے اُتّے چکیندے مال چودھار دا
پنڈی شیخ موسیٰ دے وچوں نادر شاہ قریشی ٹوریونیں،
پنچھی نکھیڑ یا ہنساں دی ڈار دا
پیریں بیڑیاں ہتھیں کڑیاں جھل کے، فرض نبھائی جاندے نی رب غفار دا۔ (۳۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی مکمل تاریخ ''ڈھولا'' میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ طوالت مضمون کے باعث اس ضمن میں آخری دو لائنیں پیش کرتا ہوں جس سے لوک شاعر کی سیاسی بصیرت اور تاریخی شعور

واضح ہوتا ہے۔

جیہڑے لڑکے موئے نیں نال انگریز دے، فقیر آہندا اے
بہشت نصیب نیں اگانہہ سنگ جا شہیداں دے رلے ۔(۳۲)

''ڈھولا'' کے علاوہ، ''ماہیا'' (۳۳) پنجابی لوک شاعری میں بہت ہی مقبول صنف ہے۔ اگر ماہیا کا مطالعہ کریں تو اس میں اہلِ پنجاب کے مذہبی، رومانی، روحانی، سماجی، معاشی، سیاسی اور تاریخی رجحانات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

سڑ کے تے لاری اے
اگے نیں رسول اللہ پچھے امت ساری اے

مندرجہ بالا ماہیا مسلمانوں کے اس عقیدہ کا بیان ہے کہ روزِ محشر ساری امت اپنے آقا کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگی اور پھر وہ اللہ کریم کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔

تھلا ترٹ گیا تھالی نا
سڑے کلیجہ جرمن جمنے والی نا(۳۴)

یہ ماہیا جنگ عظیم میں سپاہیوں کے اہلِ خاندان کے جذبات کا اظہار ہے۔ یہ پوٹھوہار کے علاقہ کا ماہیا ہے اور اسی علاقہ سے زیادہ لوگ فوج میں بھرتی ہوتے تھے جو کہ جنگِ عظیم میں برطانیہ کی طرف سے جرمنی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اسی طرح کے جذبات درج ذیل ماہیا میں ہیں جو ایک بہن کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے جس کا بھائی فوج میں لڑتا ہوا مارا گیا ہے۔

اَسمانیں تارے نیں
چن جیہے ویر اسیں اس دھرتی توں وارے نیں (۳۵)

مندرجہ ذیل ماہیے اہل پنجاب کے معاشی مسائل اور ان کے ادراک کی عکاسی کرتے ہیں۔

چٹا دودھ اے کڑاہیاں دا
رج روٹی نہیں لبھدی کیہہ فیدا اے واہیاں دا(۳۶)
پانی سُک گیا ٹیلاں دا
معاملہ کیویں بھرساں، مونہہ ویکھاں گے جیلاں دا(۳۷)
روکی کنک امریکاں نے
پنجاں ندیاں دے ہنجو سک گئے بول مارے شریکاں نے (۳۸)

درج ذیل دو ماہیے اہل پنجاب کے سیاسی و تاریخی شعور کو واضح کرتے ہیں۔

کم کر دا نہیں اک ککھ دا

پھرایہہ وزیرنی سئیو چٹاہاتھی اے سوالکھ دا(۳۹)
سکی کھیتاں وچ رایا اے
ویریاں دیس دیاں پانی وچ مکایا اے(۴۰)

مندرجہ بالا ماہیا میں ۱۹۶۰ء میں ہونیوالے سندھ طاس معاہدہ پر احتجاج کیا گیا ہے اور پنجاب کے دریا انڈیا کے حوالے کرنے کو ملک دشمنی کہا گیا ہے۔اس سے اوپر والے ماہیا میں وزیر کو سفید ہاتھی کہا گیا ہے اس سے ہم پنجابیوں کے اعلیٰ سیاسی شعور کا اندازہ کر سکتے ہیں۔کیونکہ ہمارے ملک میں وزیروں کا ایک لشکر ہوتا ہے اور وہ بغیر کوئی کام کئے بہت ساری مراعات لیتے ہیں اس لیے اکثر وزراء سفید ہاتھی ہی ہوتے ہیں۔

''ماہیے'' کی طرح ''بولیاں''(۴۱) بھی پنجابی لوک گیتوں کی ایک بہت ہی جامع اور ہمہ جہت صنف ہے جس میں زندگی کے ہر پل اور ہر پہلو کے موضوع پائے جاتے ہیں۔ان میں ذاتی دکھ، اجتماعی کرب، وچھوڑے کے المیے اور زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ قومی اور ملی جذبے بھی پائے جاتے ہیں۔ذیل میں ایسی ''بولیاں'' لکھتے ہیں جو پنجابیوں کے تاریخی شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

مغلوں کے عہدِ زوال میں ملک میں بدانتظامی اور طوائف الملوکی تھی۔یہ بولی اسی کو واضح کرتی ہے۔

اوہ پنڈ کیہ وسنے
جتھے مغلاں دی سرداری(۴۲)

درج ذیل بولیاں بھی سیاسی وسماجی شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

ایکا جنتا دا لوک راج دی کنجی(۴۳)
(لوگوں کے اتحاد سے لوگوں کی حکومت قائم ہوسکتی ہے)۔
اپنا کم کڈھیئے تھانے نوں وڈھی کھوا کے(۴۴)
(اپنے کام کروانے کے لیے تھانے میں رشوت دینی پڑتی ہے)۔
باہلیاں جاگیراں والیو خالی ہتھ جاندے ویکھ لوو(۴۵)
(جو لوگ دولت اکٹھی کرتے ہیں وہ دیکھ لیں کہ جب انسان مرتا ہے تو خالی ہاتھ جاتا ہے)۔
جدوں کڈھیا جلوس غریباں شہر اچ چتالی لگ گئی۔(۴۶)
(غریبوں اور مزدوروں نے اپنے مطالبات کے لیے جلوس نکالا تو حکومت نے دفعہ ۱۴۴ لگادی)

جنگ عظیم میں ہٹلر کے متعلق ''بولیاں'' دیکھیں۔واضح ہوتا ہے کہ یہ دوسری جنگ عظیم کے دنوں میں لکھی گئی تھیں۔

ہٹلر جنگ چھیڑ کے　　گورے راج دی بھوائی چکری (۴۷)
ہن توں جنگ بند کر دے ہٹلر　　بچے مک گئے نیں مانواں دے (۴۸)

جنگ عظیم میں پنجابی نوجوانوں کو برطانیہ نے دوسرے ملکوں میں محاذوں پر بھیجا۔ اس کا اظہار اس طرح سے ہے۔

پت مانواں دے لڑ دے　　پار سمندراں توں (۴۹)
گدا پاؤ کڑیو　　جنگ جت کے سپاہی آئے۔ (۵۰)

پنجاب سے سپاہیوں کے باہر جا کر لڑنے کے سماجی اثرات ان بولیوں میں نظر آتے ہیں۔ چونکہ سپاہی لمبے عرصے کے لیے گھروں سے دور رہتے تھے۔ ان کی خواتین کے احساسات کچھ اس طرح سے تھے۔

چھڑیاں نوں لے جالام تے　　جت ہو جاوے فرنگیا تیری (۵۱)
رناں والے جنگ جتدے　　کتھے دس وے فرنگیا لکھیا (۵۲)

۱۸۴۹ء میں انگریز پنجاب پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر اہل پنجاب کے دکھ کا اظہار یوں ہے۔

ویری پار سمندروں آئے　　روپیاں پنجے ندیاں (۵۳)

۲۹-۱۹۲۸ء میں ایک ہندو پبلشر راج پال نے ایک کتاب شائع کی جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کی گئی تھی جس سے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ایک مسلمان نوجوان غازی علم الدین شہید نے ۱۹/اپریل ۱۹۲۹ء کو راج پال کی دکان پر جا کر اپنے خنجر کے پے در پے وار کر کے واصل جہنم کر دیا۔

بارہیں برسیں کھٹن گیا تے کھٹ کے لیا نداٹینڈا
علم دین وجا چھڈیا، راج پال دا بینڈا (۵۴)

انگریز حکومت نے ۲۳ مارچ ۱۹۱۹ء رولٹ ایکٹ (Rowlatt Act) نافذ کیا۔ اس ایکٹ کی رو سے کسی ملزم پر جرم ثابت کرنا حکومت کی ذمہ داری نہ تھی بلکہ ملزم اگر اپنی صفائی نہ دے سکے تو وہ خود بخود مجرم قرار پاتا تھا۔ الزام کے ثبوت کے لیے استغاثہ مردہ آدمی کی گواہی بھی پیش کر سکتا تھا۔ نیز ملزم کو وکیل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس ایکٹ کے تحت دی گئی سزا کے خلاف اپیل نہیں کی جا سکتی تھی۔ قائداعظم نے اس ایکٹ کے نفاذ پر امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ گاندھی اور دیگر رہنماؤں نے احتجاجی جلسوں کا اعلان کیا۔ ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء جلیانوالہ باغ امرتسر میں ہونے والے احتجاجی جلسہ پر جنرل ڈائر نے فائرنگ کا حکم دے دیا اور لوگوں پر گولیاں برسائی گئیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۳۷۹ افراد ہلاک اور ۱۲۰۰ زخمی ہو گئے۔ ایک ''بولی'' میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

بارھیں برسیں کھٹّن گیا تے کھٹ کے لیاندا چلھا
امرتسر دیاں گلیاں وچ پنجابیاں دا لھوڑ لھا (۵۵)

مذکورہ بالا ایکٹ کے خلاف احتجاجی تحریک میں شامل ہونے کے لیے ہندو رہنما گاندھی نے ۱۰/اپریل ۱۹۱۹ء کو پنجاب آنا تھا۔ لیکن حکومت پنجاب نے ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا اور وہ احمد آباد لوٹ گئے۔ امرتسر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

آپ گاندھی قید ہو گیا　　　سانوں دے گیا کھدر دا بانا (۵۶)

رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج اور پھر اس کے بعد تحریک خلافت میں گاندھی نے انگریزوں پر دباؤ بڑھانے کے لیے ''سودیشی تحریک'' شروع کی جس کا مطلب تھا غیر ملکی مال کا بائیکاٹ۔ بالخصوص کپڑے کی درآمد بالکل بند ہو کر رہ گئی۔ پہلے سے درآمد شدہ کپڑا جلا دیا گیا۔ چنانچہ گھر گھر چرغہ پر سوت کاتا جانے لگا۔ لیڈر عوام سب نے یہی کام شروع کر دیا کہ دیسی کھر درا کھدر پہنا جائے۔ مندرجہ بالا بولی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بھگت سنگھ ہماری قومی تاریخ میں ایک بہادر ہیرو کی شناخت رکھتا ہے اور پنجابی لوک شاعری میں اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ بھگت سنگھ نے ۱۸/اپریل ۱۹۲۹ء کو مرکزی اسمبلی میں بم پھینک کر اسمبلی کو ''پبلک سیفٹی بل'' پاس کرنے سے روکا تھا۔ پولیس نے بھگت سنگھ کو اسمبلی ہی سے گرفتار کر لیا۔ رسمی مقدمہ چلانے کے بعد ۲۳/مارچ ۱۹۳۱ء کو ساڑھے تیئیس سال کی عمر میں سینٹرل جیل لاہور میں بھگت سنگھ کو پھانسی دے دی گئی۔

بارھیں برسیں کھٹّن گیا تے کھٹ کے لیایا بابا
بھگت سنگھ سورمے نے سیمبلی وچ بمب چلایا (۵۷)

اسی طرح لاہور کے نولکھا بازار میں مسجد شہید گنج تھی۔ سکھوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے گوردوارہ بنانے کی کوشش کی۔ مولانا ظفر علی خان اور دیگر مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا۔

مسلے روندے نیں جمن والیاں نوں　　　تے سکھاں نے مسیتاں مل لئیاں (۵۸)

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے نتیجے میں صوبہ پنجاب میں سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی کو اقتدار ملا اور سرسکندر حیات وزیر اعظم پنجاب بنے۔ اور وہ ۱۹۴۲ء میں اپنی وفات تک اقتدار میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد خضر حیات ٹوانہ ان کے جانشین بنے۔ درج ذیل بولی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سرسکندر حیات کے دورِ اقتدار میں مالیہ زیادہ تھا۔ اور پنجاب کے کسان اور کاشتکار سرسکندر حیات کی حکومت سے خوش نہ تھے۔

ماں مرجائے سکندرا تیری　　　مالیہ ودھان والیا (۵۹)

آخر پہ دو بولیاں درج کی جاتی ہیں جن سے اس وقت کے معاشرے کی طبقاتی تقسیم واضح ہوتی ہے۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ پنجاب یا ہندوستان کی معیشت پر مکمل کنٹرول ہندو بنیا کا تھا۔ مسلمان کسان اور

کاشتکار ہندو کے مقروض تھے۔منڈی پر قبضہ بھی ہندو کا تھا۔جب چاہتا چیزیں مہنگی کر دیتا تھا۔

باغیئے نے ات چک لئی　　سارے جٹ قرضائی کیتے (۶۰)

بانیو ترس کرو　　گڑ ویچو بھا گھٹا کے (۶۱)

آخر میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہر علاقے ،قوم، زبان اور علاقے کے باشندوں کا اصل ورثہ اور سرمایہ وہاں کے لوگوں کا لوک ادب ہوتا ہے۔ چونکہ لوک گیت ہر زبان، ہر قوم، ہر قبیلے، ہر ملک اور ہر علاقے میں جنگلی گلاب کے پھولوں کی طرح از خود اُگ کر اپنی خوشبو پھیلاتے ہیں۔ان میں سادگی اور بے ساختگی ہوتی ہے۔لوک ادب کے فنکاروں نے جو کچھ سیکھا ہوتا ہے وہ ظاہری تعلیم و تربیت سے نہیں بلکہ اپنے اردگرد کے ماحول، رہن سہن اور معاشرت سے اخذ کیا ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں کسی قسم کی ظاہری بناوٹ، تصنع اور ملاوٹ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔اسی لیے یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پنجابی لوک ادب میں پایا جانیوالا تاریخی مواد بھی ہر طرح کی ملاوٹ سے پاک ہے اور لوگوں نے اپنے وقت میں رونما ہونیوالے تاریخی واقعات کو جس طرح محسوس کیا اسی طرح پوری سچائی کے ساتھ اس کا اظہار کر دیا۔پنجابی صوفی شاعری اور لوک ادب پنجاب کی حقیقی تاریخ کا بیان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افتخار وڑائچ کالروی، ''دھرتی لہو منگدی''، متر سانجھ پنجاب، گجرات، ۱۴۲۸ھ، ص ۶

۲۔ اس سے مراد سکندر اعظم ہے۔

۳۔ شاہ حسین، اسلم رانا، ''رمز روایت''، عزیز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۶۳، سلیم اختر، مائے نی میں کنہوں آکھاں (کلام شاہ حسین مع اردو ترجمہ)، بک ہوم، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۹۶

۴۔ بلھے شاہ، ''آکھیا بلھے شاہ نیں''، (مرتبہ: آصف خان)، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۶

۵۔ ایضاً، ص ۱۹۹

۶۔ علی حیدر ملتانی، ''کلیات علی حیدر''، (مرتبہ: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر)، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۹۹

۷۔ وارث شاہ، بحوالہ سعید بھٹا، ''سانجھ وچار''، اے۔ایچ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۰

۸۔ خواجہ غلام فرید، ''آکھیا خواجہ فرید نے''، (مرتبہ: آصف خان) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۴۰۸، دیوان خواجہ فرید، مرتبہ خواجہ طاہر محمود کوریجہ، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۷، کلیات فرید، مرتبہ شفقت تنویر مرزا، دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۲۹۴

۹۔ علی حیدر ملتانی، ''کلیاتِ علی حیدر''، ص ۴۵

۱۰۔ سعید بھٹا، ''سانجھ وچار''، ص ۱۹۰

۱۱۔ نجابت (۱۷۷۹ء-۱۶۸۹ء) بلھے شاہ، علی حیدر ملتانی اور وارث شاہ کے ہم عصر تھے اور ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال

کے گاؤں چاؤوال کے رہائشی تھے۔

۱۲۔ پیر محمد انیسویں صدی کے پنجابی شاعر تھے۔ یہ ضلع گجرات کے ایک گاؤں نوناں والی کے رہائشی تھے۔

۱۳۔ شاہ محمد (۱۸۶۲ء-۱۷۸۹ء) ضلع امرتسر کے گاؤں وڈالہ ورک کے رہائشی تھے۔

۱۴۔ رنجیت سنگھ ۱۷۹۹ء میں پنجاب کا حکمران بنا اور اپنی وفات ۱۸۳۹ء تک اقتدار پر قائم رہا۔

۱۵۔ دیکھیں شاہ محمد جنگ ہند پنجاب، مرتبہ آصف خان، عزیز بکڈ پو، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۵۳

۱۶۔ شاہ عظیم، پوڑی مظفر خان، ملتان، ۱۸۹۸ء

۱۷۔ افتخار ورائچ کالروی، دھرتی لہو منگدی، ص ۱۴۱

۱۸۔ اسے انگریزی لوک ادب پر اتھارٹی مانا جاتا ہے۔

19- George Lawrence Gomme (1980), Folklore as an historical science, London:Methuen and Co.

۲۰۔ یہ امریکی مؤرخ اور دانشور تھا جس نے تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

۲۱۔ یہ روسی لوک ادب کا نامور ادیب تھا اور اس نے کتاب لکھی تھی۔

Russion Folklore (New York: Macmillan, 1950)

۲۲۔ پنجاب گورنمنٹ رکارڈز، مینوٹی رپورٹس جلد ہشتم، حصہ اول، لاہور: حکومت پنجاب، ۱۹۱۱ء، ص ۴۳

۲۳۔ Punjab Administration Report, 1856.57 and 1857-58, 18

۲۴۔ اے۔ڈی، اعجاز، ''کال بلیندی''، (تیسرا ایڈیشن) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحات ۶۱، ۶۰ اور ۱۲۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۰، ۱۳۱

۲۷۔ میوٹنی رپورٹس، جلد ہشتم، حصہ دوم، ص ۴۵۔۴۷

۲۸۔ Cave-Browne, The Punjab and Delhi in 1857, Vol-II, Edinburgh and London, William Blackwood & Sons, 208, Mutiny Reports, Vol: VIII, Part-II, 47

۲۹۔ اے۔ڈی، اعجاز، ''کال بلیندی''، ص ۱۶۳

۳۰۔ جزائر انڈیمان کو عرف عام میں کالا پانی کہا جاتا تھا۔

۳۱۔ اے۔ڈی، اعجاز، ''کال بلیندی''، ص ۱۷۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۳۳۔ ماہیا، پنجابی لوک شاعری میں ڈیڑھ مصرعے کا گیت ہے۔ پہلا مصرعہ چھوٹا اور عموماً بے معنی ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا مصرعہ بڑا اور اسی میں شاعر اپنا مقصد اور مدعا بیان کرتا ہے۔

۳۳۔ افضل پرویز، ''بن پھلواری'' (دوسرا ایڈیشن)، ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۱۹۷
۳۵۔ اسلم رانا، ڈاکٹر، ''حرف حقیقت''، عظیم اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۲۸۴
۳۶۔ ایضاً ۳۷۔ ایضاً، ۲۸۳ ۳۸۔ ایضاً ۳۹۔ ایضاً، ص ۲۸۴
۴۰۔ ایضاً، ص ۲۷۹
۴۱۔ بولیاں جس کا واحد بولی ہے سے مراد ایک بول یعنی یہ ایک مصرعہ پر مبنی ہوتی ہے جو کہ جامع، ہمہ گیر، مؤثر اور گھمبیر ہو، ہیئت کے اعتبار سے بھی اور مواد کی حیثیت سے بھی۔ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی کے مطابق بولی معانی کا ایک دریا ہے جو ایک مصرعہ کے کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی دیہاتی بولیاں، لاہور: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۴ء، ص ۲۲
۴۲۔ کنول مشتاق، ''بولیاں''، (بارِ دوم)، لاہور: ادارہ سورج مکھی، ۱۹۸۷، ص ۱۹
۴۳۔ ڈاکٹر محمد اسلم رانا، ''حرف حقیقت''، ص ۳۰۵
۴۴۔ ایضاً ۴۵۔ ایضاً ۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ کنول مشتاق، ''بولیاں''، ص ۱۹
۴۸۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، ''پنجابی بولیاں''، مجلس پنجابی ادب، فیصل آباد ۱۹۸۱ء، صفحہ ۹۵
۴۹۔ ایضا، ص ۳۲
۵۰۔ ایضا، ص ۲۷۔ عبدالرزاق، ''گِدھا''، پنجابی ادبی لہر، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۹۷
۵۱۔ سیف الرحمٰن ڈار، ''جتھے پیلاں دی چھاں''، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۲، کنول مشتاق، بولیاں، صفحہ ۵۹
۵۲۔ عبدالرزاق، ''گِدھا''، ص ۱۴۸
۵۳۔ محمد اسلم رانا، ڈاکٹر، ''حرف حقیقت''، ص ۳۰۶
۵۴۔ ایضاً، ص ۳۰۴ ۵۵۔ ایضاً ۵۶۔ ایضاً، ص ۳۰۵
۵۷۔ سرفراز حسین قاضی، ڈاکٹر، ''پنجابی لوک گیتاں دا فنی تجزیہ''، عزیز پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۹
حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی بولیاں، ص ۹۱
۵۸۔ اسلم رانا، ڈاکٹر محمد، ''حرف حقیقت''، ص ۳۰۴
۵۹۔ ایضاً، ص ۳۰۵ ۶۰۔ ایضاً ۶۱۔ ایضاً